سبق : 8

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ یوسف ،آیت 58 تا 68)

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝۵۸

اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائی آئے، پھر ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان کو پہچان لیا مگر وہ انھیں پہچان نہ سکے ﴿58﴾

آیت 58 ﴿ وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ: یوسف علیہ السلام نے امورِ سلطنت ملنے کے بعد وسائل کا بہترین طریقے سے استعمال کیا اور بچت کر کے شان دار طریقے سے نظام چلایا۔ جب قحط شروع ہوا تو مصر کی طرح شام اور دور دراز کے علاقوں تک اس کے اثرات پھیلے۔ اس دوران کہیں سے اگر غلہ ملتا تھا تو وہ مصر سے ملتا تھا اور لوگ یہاں سے آ کر اپنی ضرورت کی چیزیں یعنی غلہ وغیرہ لے کر جاتے تھے۔مصر کو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حکومت قائم کر کے بچا لیا تھا۔ جب نیک بندے ملکوں وعلاقوں میں حکومت کرنے والے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے عذابوں کو روکتا اور معاشروں کی حفاظت فرماتا ہے۔ نیکی کرنے والوں کی وجہ سے خالقِ کائنات باقی لوگوں کو بھی اپنی رحمتوں سے نواز دیتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے دورِ حکومت میں مصر میں غلے کے گودام موجود تھے جنھیں انھوں نے خوش حالی کے دور میں تعمیر کروایا اور اموال کی حفاظت کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ شام، فلسطین اور دوسرے علاقوں میں کہیں سے غلہ نہیں ملتا تھا لیکن مصر سے مل جاتا تھا۔ جب یہ اطلاع ہر جگہ پہنچی تو دوسرے علاقوں سے بھی لوگ آ کر غلہ لے جانے لگے۔

یوسف علیہ السلام نے نظام یہ بنایا تھا کہ جو کوئی بھی باہر سے آئے گا ہم اس کی ضرورت دیکھ کر اسے ایک اونٹ بوجھ کے برابر غلہ دیا کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام اس وقت شام میں آباد تھے۔ ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہیں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کی آگے پھر جو اولاد پیدا ہوئی وہ بھی شام اور فلسطین کے علاقے میں ہی آباد تھی۔ اس دور میں فلسطین شام ہی کا حصہ تھا۔ جب مختلف علاقوں سے لوگ مصر پہنچنا شروع ہوئے تو شام سے یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی وہاں غلہ لینے کے لیے پہنچ گئے۔مفسرین کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا بنایا گیا نظام اس قدر شان دار تھا کہ انھوں نے یہ سارا کچھ دوسرے لوگوں پر ہی نہیں چھوڑ دیا تھا بلکہ جو لوگ بھی آتے آپ ان سے خود ملاقات کرتے، ان کی ضرورت پوچھتے اور غلے کی تقسیم و دیگر معاملات کے حوالے سے بہت زیادہ محنت کرتے۔ بندہ جب اپنے آپ کو ان معاملات میں بہت زیادہ کھپاتا ہے تو پھر ہی نظام صحیح چلتا ہے۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ ﴾ ایک قافلہ آیا جو یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا۔سبب اس کا یہ تھا کہ وہ خود دیکھتے اور جائزہ لیتے تھے کہ غلہ لینے کے لیے آنے والے اس کے مستحق بھی ہیں یا نہیں، اس کے بعد وہ فیصلہ

وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾

اور جب انھوں (یوسف علیہ السلام) نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہنے لگے کہ تمھارے باپ سے تمھارا ایک اور بھائی ہے، اسے بھی میرے پاس لے کر آؤ، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ پورا دے رہا ہوں اور بہترین مہمان نواز ہوں ﴿59﴾

فرماتے تھے۔ گویا یہ فیصلہ بھی یوسف علیہ السلام خود ہی کرتے تھے کہ کسے دینا ہے اور کتنا دینا ہے، اسی لیے یوسف علیہ السلام کے بھائی سیدھے انھی کے پاس پہنچے ہیں۔

فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ: یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیکھا تو فوراً پہچان گئے، لیکن وہ آپ علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے کہ مصر کے تخت پر آج کون بیٹھا ہے اور ہم کس سے غلہ مانگنے آئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے پہچاننے کے باوجود اظہار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ تم میرے بھائی ہو اور اب غلہ لینے کے لیے میرے پاس آ گئے ہو، بلکہ انھوں نے اس معاملے کو ایک راز ہی رہنے دیا۔

آیت 59 ﴿وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ: اس واقعہ کو بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ قصہ تو بہت دلچسپی والا ہے لیکن قرآن مجید کا اپنا اسلوب ہے کہ بہت ساری باتیں سیاق کے اندر ہی سمیٹ دی گئی ہیں اور وہ بہ آسانی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی شان دار مہمان نوازی کی اور پھر ان کے لیے یہ حکم بھی دیا کہ ان کا سامان اچھے طریقے سے تیار کرو۔ بھائیوں کو ابھی کسی معاملے کا علم نہیں ہے۔ جب بوریوں میں غلہ ڈال کر انھیں اونٹوں پر لاد دیا گیا اور وہ روانہ ہونے لگے تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تم اپنے ایک بھائی کو چھوڑ کر آئے ہو، اگر آئندہ آئے تو اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ یہ نہ ہو کہ تم اکیلے آ جاؤ۔

بات تو اتنی تھی کہ اپنے بھائی کو لے کر آؤ لیکن یوسف علیہ السلام کہہ رہے ہیں: ﴿ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ﴾ اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آؤ جو تمھارے باپ سے ہے۔ اس میں بہت لطیف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ماؤں کے مختلف ہونے سے تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا تو تمھارا یہ بھائی بھی باپ سے ہے ماں سے نہیں ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی دو شادیوں کا تو یہاں ذکر ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی کوئی شادی تھی یا نہیں، اس کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہاں ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا ہوگا کہ ہمارا ایک بھائی پیچھے ہے اس کا حصہ بھی دے دو۔ ظاہر ہے بندہ جب دیکھتا ہے کہ مہمان نوازی بہت شان دار ہو رہی ہے تو پھر دل میں لالچ آ جاتا ہے، برادرانِ یوسف نے بھی یہ ساری صورتِ حال دیکھ کر کہہ دیا ہوگا کہ ہمارے ایک بھائی کا حصہ بھی دے دو اسے ہم

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

پھر اگر تم اسے نہ لائے تو میری طرف سے تمھارے لیے کوئی ماپ نہیں ہوگا اور میرے پاس بھی نہ آنا (60) انھوں نے کہا ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں جلد آمادہ کریں گے اور بے شک ہم یقیناً (ایسا) کرنے والے ہیں (61)

پیچھے چھوڑ آئے ہیں، لیکن یوسف علیہ السلام نے کہا کہ نہیں اگر اس کا حصہ لینا ہے تو اسے میرے پاس لے کر آؤ۔

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ: یوسف علیہ السلام اب انھیں چھوٹے بھائی کو ساتھ لانے کی ترغیب دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا پورا ماپ دیتا ہوں۔ جو کوئی یہاں آئے گا میں اسے پورا حصہ دوں گا۔ میں نے ماپ تول کے حوالے سے ایک اصول اور ضابطہ بنا دیا ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو گی۔ تم نے خود بھی دیکھ لیا کہ ہم نے اس حوالے سے ساری چیزیں طے کر رکھی ہیں اور اسی کے مطابق اپنا نظام چلا رہے ہیں۔ عدل پر مبنی حکومتوں کے بنیادی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں معاشی اصول عدل پر مبنی ہوتے ہیں۔ ناپ تول میں کمی اور منڈیوں میں ظلم اور دھوکہ سے کبھی ملک خوشحال نہیں ہوتے بلکہ مزید زبوں حالی کا شکار ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: ((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ)) [سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العقوبات: ٤٠١٩، حسنه الألباني] یعنی جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اسے قحط سالی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ: یوسف علیہ السلام نے دوسری بات یہ کی کہ دیکھو! میں نے تمھاری کتنی خدمت اور مہمان نوازی کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے اس بھائی کو ساتھ لے کر آؤ گے تو ہم پھر تمھاری خدمت کریں گے اور ساتھ میں اس کا بھی حصہ دیں گے۔ یہ بات یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو قائل کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔

آیت 60 ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ ....: یوسف علیہ السلام نے پہلے ترغیب دلائی اور پھر تھوڑا سخت انداز اختیار کیا ہے کہ اگلی مرتبہ تم ہر صورت اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آنا۔ اگر تم اسے ساتھ نہیں لاؤ گے تو اس مرتبہ تو میں تمھیں غلے کے لدے ہوئے اونٹ دے کر بھیج رہا ہوں لیکن آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو تمھیں میری طرف سے کچھ نہیں ملے گا۔ '' وَ لَا تَقْرَبُوْنِ '' اور تم میرے قریب آنے کی زحمت بھی نہ کرنا۔ یعنی اگر تم نے میری یہ بات نہ مانی تو پھر تمھیں سفر کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یوسف علیہ السلام نے ترغیب اور ترہیب کا یہ انداز اس لیے اختیار کیا ہے تا کہ وہ ہر صورت میں بھائی کو اپنے ساتھ لے کر آئیں۔

آیت 61 ﴿ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ ....: یوسف علیہ السلام کی طرف سے دوٹوک انداز میں بات واضح کرنے کے بعد کہ

وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور انھوں نے اپنے جوانوں سے کہا کہ ان کی رقم ان کے سامان میں رکھ دو، تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچیں تو اسے پہچان لیں، تو شاید واپس آئیں ﴿62﴾

چھوٹے بھائی کو ساتھ نہ لانے پر تمھیں بالکل بھی غلہ نہیں دیا جائے گا، برادرانِ یوسف کے ذہن میں یہ بات آئی ہو گی کہ ہم تو پہلے ہی بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں، اب ہم اپنے باپ کو کیسے راضی کریں گے؟ یہ سوچ کر ہو سکتا ہے انھوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے ساری بات بیان کر دی ہو اور کہا ہو کہ اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن ہم اس کے باپ کو بہت اچھے طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مطلب یہ کہ بھیجنا تو باپ نے ہے، اس کی اجازت کے بغیر ہم اسے نہیں لا سکتے، لیکن اپنے طور پر پوری کوشش ضرور کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں امید ہے کہ " اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ " ہم یہ کام ضرور کر گزریں گے۔ معاملہ چونکہ قحط کا ہے اور مصر کے علاوہ غلہ کہیں سے ملتا نہیں ہے، اس لیے جب یہ حالات ہم اپنے باپ کے سامنے بیان کریں گے تو انھیں چھوٹے بھائی کو ساتھ بھیجنے پر قائل کر لیں گے۔

آیت 62 ﴿ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ . . . : یوسف علیہ السلام نے ایک اور تدبیر یہ کی کہ غلہ خریدنے کے لیے آنے والے جو قیمت اور پونجی لے کر آئے تھے، انھوں نے اپنے اہلکاروں کو حکم دے کر یہ چیزیں بھی اسی طرح ان کی بوریوں میں رکھوا دیں اور کہا کہ تم نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھنا، یعنی ان سے غلے کی قیمت وصول نہیں کرنی۔ اس کی حکمت یہ تھی " لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ " تا کہ انھیں پتا چل جائے کہ ان کے ساتھ کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے اور انھیں اپنے باپ کو قائل کرنے میں بھی آسانی ہو کہ جب مصر کے حکمران نے ہمارے ساتھ اتنا اچھا اور شان دار سلوک کیا ہے تو ہمیں بھی ان کی بات ماننی چاہیے۔ حکومتیں تدبیروں اور حکمتوں کے بغیر نہیں چلتیں اور نہ ہی محض حکم دے کر بہتر طریقے سے کام ہوتے ہیں۔ تدبیر جتنی زیادہ مضبوط ہو گی اللہ رب العزت کی برکتیں اسی قدر شاملِ حال ہوں گی۔ یہاں حکمرانوں کے لیے بھی بہت بڑی دعوت ہے کہ جب حکومت ملے تو قرآن مجید میں یوسف علیہ السلام کے بیان کردہ کردار کو غور سے پڑھیں، لوگوں کے ساتھ احسان پر مبنی سلوک کریں اور مہمان نوازی بہت زیادہ کریں۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے دورِ حکومت میں یقینی طور پر مہمان خانے بنائے ہوں گے اور ایسا انداز اختیار کیا ہو گا کہ لوگوں کا رخ مصر کی جانب ہو اور یہ کہ جب وہ وہاں آئیں تو قیام کے دوران ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس آئے تو کہنے لگے ابا جان! ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، پس آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے کہ ہم غلہ لائیں اور بے شک ہم اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں ﴿63﴾

جن ملکوں کو قیادتیں ملتی ہیں اس میں یقینی طور پر ان کی اپنی محنتیں اور قربانیاں بھی شامل ہوتی ہیں جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ایسی حکومتوں کی طرف لوگ بھی متوجہ ہوتے ہیں اور یوں یہ حکومتیں معزز بن جاتی ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حکومت ملی تو انھوں نے خدمت کا راستہ اختیار کیا۔ ہمارے ہاں تو معاشروں میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کسی کو حکومت مل جائے تو اس میں تکبر آ جاتا ہے اور مال و دولت جمع کرنے کی ہوس اور لوٹ کھسوٹ کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ جب ملکوں اور معاشروں میں کرپشن ہوتی ہے تو اس سے ملکوں کی معیشت کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے مصر کی حکومت ملنے پر دیانت و امانت سے اس کے نظم ونسق کو چلایا اور دنیائے انسانیت کے لیے بہترین مثال قائم کی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا اصول یہ بنایا تھا کہ جتنا زیادہ تم احسان کرو گے اور لوگوں کی خدمت کرو گے، اسی قدر تمھارے کاموں میں برکت آئے گی اور تمھاری معیشت بھی بہتر ہو گی۔

آیت 63 ﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ . . . ﴾: برادرانِ یوسف جب اپنے والد کے پاس پہنچے تو انھوں نے یوسف علیہ السلام کی خدمت، مہمان نوازی اور دوسری ساری چیزوں کے بارے میں بتایا کہ کس طرح ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا ہے۔ سارا واقعہ سنانے کے بعد پھر وہ کہنے لگے: ﴿ مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ ﴾ ان اچھی چیزوں کے ساتھ ایک بات جو ہمیں کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آئندہ تمھیں اس وقت تک غلہ نہیں ملے گا جب تک اپنے اس بھائی کو، جو تمھارے باپ سے ہے، اپنے ساتھ لے کر نہیں آؤ گے۔ ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے، لہٰذا آپ چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں: ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ہم اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں آنے دیں گے اور واپس آپ کے پاس لے کر آئیں گے۔

برادرانِ یوسف نے یہ بات اس لیے کی کہ یعقوب علیہ السلام پہلے ہی اپنے ان بیٹوں سے زخم کھا چکے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جاتے وقت بھی انھوں نے یہی الفاظ بولے تھے اور کہا تھا کہ اے ابا جان! یہ گھر میں ہی رہتا ہے، باہر جائے گا، کھیلے کودے گا اور اپنی مرضی سے کھائے پیے گا تو خوش ہو گا، آپ اس کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں

قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰٓى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۶۴﴾

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ میں تم پر اس کے بارے میں کیسے اعتبار کروں، جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتبار کیا تھا، سو اللہ ہی بہترین نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے (64)

اور ہم پر اعتماد کریں۔ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کرنے والے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے ذہنوں میں لازمی طور پر یہ چیز تھی کہ باپ سے مطالبہ کریں گے تو اس نے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہونا، اس لیے اپنی طرف سے حفاظت کی یقین دہانیاں کروا رہے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ ”بے شک ہم اس کی یقیناً حفاظت کرنے والے ہیں۔“ جبکہ انھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ اللہ ہی بہترین نگہبان ہے۔

آیت 64 ﴿ قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰٓى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ﴾: یعقوب علیہ السلام کہنے لگے تم کہتے ہو کہ ہم چھوٹے بھائی کی حفاظت کریں گے لیکن میں تم پر اب کیسے اعتبار کروں۔ میں تو یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں تمھارے دعووں پر اعتبار کر کے پہلے ہی ایک بڑے صدمے سے گزر چکا ہوں۔ تمھارے کہنے پر میں نے اسے تمھارے ساتھ بھیجا لیکن تم نے اس کی بالکل بھی حفاظت نہیں کی۔ یعقوب علیہ السلام کو بالکل علم نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے، کیوں کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو صاف کہہ دیتے کہ تم نے پہلے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا تو اب اسے کہاں لے جا کر پھینکو گے؟ لیکن انھوں نے یہ بات نہیں کی اور یہی کہا کہ میں دوبارہ تم پر کس طرح اعتماد کر سکتا ہوں۔ یہ ایک فطری بات تھی جو ان کی طرف سے کی گئی۔

﴿ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴾: ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے روایات بیان کی ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے صرف اتنا کہا تھا: ﴿ اَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴾ [یوسف: ۱۳] ”میں ڈرتا ہوں کہ بھیڑیا اسے کھا جائے گا جبکہ تم اس سے غافل ہو گے۔“ لیکن یہاں یہ بات نہیں کی۔ یعقوب علیہ السلام نے پہلے واقعہ کی مناسبت سے اگرچہ اپنی بداعتمادی کا اظہار کر دیا لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والا ہے۔ میں اپنے بیٹے کو اس کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ یعنی بیٹا پہلے بھی انھی کے ساتھ بھیجا تھا لیکن اس وقت یہ بات نہیں کہہ سکے تھے جو اس موقع پر کہی ہے۔ بیشتر مفسرین اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ دنیاوی وسائل استعمال کرنے چاہییں اور تدبیر اختیار کرنا بھی ضروری ہے، لیکن اصل توکل رب تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ حفاظت صحیح معنوں میں اللہ ہی کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ مجھے اللہ رب العالمین کی ذات پر

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی رقم کو موجود پایا، جو انھیں واپس کر دی گئی، کہنے لگے اے ہمارے ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے، یہ ہماری رقم بھی ہمیں واپس لوٹا دی گئی اور ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا غلہ زیادہ لائیں گے اور غلہ (بڑھانا ہمارے لیے) آسان ہو گا ﴿65﴾

یقین ہے کہ وہ میرے بیٹے کو محفوظ رکھے گا۔ اسی بنیاد پر وہ چھوٹے بیٹے کو ساتھ بھیجنے پر تیار ہوئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ یعقوب علیہ السلام نے چونکہ اپنے رب کو محافظ بنایا، اس لیے ہم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی دونوں کو اپنے باپ سے ملا دیا۔ یعنی انھوں نے اگر اپنے بیٹے کو اللہ کی حفاظت میں سونپا تو اس ذات باری تعالیٰ نے بھی پھر حفاظت کر کے دکھائی۔ اس میں سب کے لیے دعوت اور ترغیب ہے کہ حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، معاملات کو طے کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی مدد پر ہی انحصار کرنا چاہیے اور اسے ہی نگران بنانا چاہیے۔ یہ الفاظ زبان سے بھی ادا کرنے چاہییں اور دل میں بھی اللہ کی حفاظت پر یقین رکھنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے خالقِ کائنات اپنے بندوں کی ضرور مدد فرماتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ إِذَا اسْتُوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ)) [مسند أحمد ۲/ ۸۷، ح: ۵٦۰۵، صححه الأرنؤوط] ”بے شک جب کوئی چیز اللہ کے سپرد کی جائے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔“

آیت 65 ﴿ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ . . . ﴾: برادرانِ یوسف نے جب سامان کھولا تو اس میں وہ قیمت اسی طرح موجود تھی جو وہ غلہ خریدنے کے لیے ساتھ لے کر گئے تھے۔ مصر کی حکومت نے اس میں سے کچھ بھی نہیں رکھا تھا اور سب کچھ اسی طرح واپس کر دیا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ کہنے لگے: ﴿ يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ﴾ اے ابا جان! اس سے زیادہ اور ہمیں کیا چاہیے۔ وہاں جس طرح ہماری عزت افزائی ہوئی ابھی وہ آپ کے سامنے نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی شرط کو ہمیں ضرور پورا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں: ﴿ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ﴾ آپ دیکھیں کہ یہ قیمت بھی ہمیں واپس لوٹا دی گئی ہے۔ اب ہم جائیں گے اور ” نَمِيْرُ اَهْلَنَا “ اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لے کر آئیں گے۔ اگر آپ کو بھائی کے بارے میں خوف ہے تو ” نَحْفَظُ اَخَانَا “ ہم اس کی حفاظت کریں

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

کہا کہ میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا، حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دے دو کہ یقیناً تم اسے میرے پاس لے کر آؤ گے، اِلاّیہ کہ تم سب کو گھیر لیا جائے، پھر جب انھوں نے اپنا پختہ عہد دے دیا تو انھوں نے کہا کہ اللہ ضامن ہے اس پر جو ہم کہہ رہے ہیں ﴿66﴾

گے اور " نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ " ایک اونٹ کے بوجھ برابر حصہ ہمیں اور مل جائے گا۔ یہ بہت آسان ہے کہ اس طریقے سے ہم اپنا غلہ بھی بڑھالیں گے اور ہمیں کوئی دقت بھی پیش نہیں آئے گی۔

آیت 66 ﴿ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ . . . : یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو قائل کرنے کی کوشش کی تو وہ کہتے ہیں کہ میں اس طرح چھوٹے بیٹے کو تمھارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ ہم تو پہلے ہی بہت بڑی آزمائش سے گزر چکے ہیں۔ میں اس حوالے سے بہت خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ اس لیے میرا دل بالکل بھی مطمئن نہیں ہے، البتہ اگر تم اللہ کو ضامن اور گواہ بنا کر پختہ عہد دیتے ہو تو پھر میں اسے تمھارے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔ اس سے اللہ کی قسم اٹھانا مقصود ہے، گویا تم میرے ساتھ پختہ عہد کرو کہ تم اس بھائی کو ساتھ واپس لے کر آؤ گے۔

اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ : یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں کہ اگر تقدیر کا کوئی ایسا مسئلہ بن جائے کہ تم سب گھیر لیے جاؤ یا سب کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن یہ نہ ہو کہ دس واپس آ جائیں اور ایک کو چھوڑ دیا جائے، یعنی تمھارے اپنے نفسوں کی طرف سے کوئی شرارت نہیں ہونی چاہیے۔ میں تمھاری باتوں پر اس وقت تک اعتماد نہیں کروں گا جب تک میں یہ دیکھ نہ لوں کہ تمھارا عہد پختہ ہے۔

فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ . . . : "پھر جب انھوں نے اپنا پختہ عہد دے دیا۔" یعنی جس طرح باپ نے کہا تھا بیٹوں نے اسی طرح اللہ کی قسمیں اٹھا کر یقین دہانی کروائی تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: ﴿ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر سارا اختیار رب تعالیٰ کا ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر اللہ ضامن ہے۔ " وَكِيْلٌ " کا مطلب ہوتا ہے کہ جس کے سپرد سب کچھ کر دیا جائے۔ یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں کہ تمھاری طرف سے قسمیں اٹھانا اور یقین دہانیاں کروانا ٹھیک ہے لیکن میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور مجھے اسی کی حفاظت پر یقین ہے۔ یعقوب علیہ السلام نبی ہیں، تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں، بیٹوں سے یقین دہانی کے بعد معاملے کو اللہ کی حفاظت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بہت

وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ

اور انھوں نے کہا میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمھیں

بڑی دعوت ہے۔ باپ چھوٹے بیٹے کو بھیجنا نہیں چاہتے تھے لیکن بالآخر اپنی تدبیر کر کے اللہ کے سپرد کر دیا۔ اس میں سبق ہے کہ مسلمانوں کو اپنے معمولات میں یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے تا کہ ہر کام میں اللہ کی حفاظت ملتی رہے۔

یہاں یعقوب علیہ السلام کی سیرت سے والدین کے لیے بھی ایک اہم پیغام ہے کہ وہ اولاد کے بارے میں کبھی مایوس نہ ہوں۔ بہت سے والدین اس معاملے میں غفلت برتتے ہیں کہ یا تو ان سے بولنا چھوڑ دیتے ہیں، یا گھر سے نکال دیتے ہیں، یا عاق کر دیتے ہیں۔ یہ رویہ غلط ہے۔ بچوں کو بد دعا دینے اور مایوس ہونے کی بجائے ہمیشہ انھیں نصیحت کرتے رہنا چاہیے اور پیار و محبت کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ آپ ذرا غور کریں کہ یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ برادرانِ یوسف نے سازش کی ہے مگر انھوں نے قطع تعلق نہیں کی، حتیٰ کہ جب انھوں نے دوسرے بھائی کے بارے میں کہا کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجیں تو ان کی بات مان لی اور انھیں نصیحت بھی کی۔

آیت 67 ﴿ وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ . . . ﴾: یعقوب علیہ السلام کے دل میں طرح طرح کے خدشات موجود تھے، اس لیے وہ عہد لینے کے بعد بھی تدبیر کر رہے ہیں اور بیٹوں سے کہتے ہیں کہ تم سب نے ایک دروازے سے داخل نہیں ہونا۔ چھوٹے بیٹے کے ساتھ پیار کی وجہ سے اس کی حفاظت کی بات کر رہے ہیں تو دوسرے بیٹوں کے ساتھ بھی انھیں محبت ہے، اسی لیے ان کی حفاظت کا بھی سوچ رہے ہیں اور ہدایت دے رہے ہیں کہ تم نے متعدد دروازوں سے الگ الگ داخل ہونا ہے۔ اس حوالے سے بہت ساری تفسیری روایات ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے ایسا کیوں کہا؟ ایک تو صاف بات یہ نظر آ رہی ہے کہ ان کی حفاظت کے پیشِ نظر ایسا کہا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ یعقوب علیہ السلام کے دل میں ڈر تھا کہ اتنے خوب صورت گیارہ کڑیل، قد آور اور طاقت ور نوجوان جب ایک ساتھ داخل ہوں گے تو انھیں نظر نہ لگ جائے۔ انھیں دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہو سکتا ہے۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ یوسف علیہ السلام خوب صورت تھے تو ان کے بھائی بھی یقیناً خوب صورت ہی ہوں گے، اسی لیے نظر بد اور حسد سے بچانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی گئی۔

مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کیں اور ان کے اقوال نقل کیے ہیں، جن سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نظرِ بد اور حسد سے بچنے کے لیے تدبیر کی جا سکتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْعَيْنُ حَقٌّ)) [صحيح البخاري، كتاب الطب، باب العين حق : ٥٧٤٠] ’’نظر کا لگنا حق ہے۔‘‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نظر بد لگنے کے متعدد واقعات ملتے ہیں، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے دم بتائے

اُغۡنِیۡ عَنۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ ۚ وَ عَلَیۡہِ

اللہ (کی تقدیر) سے کسی طرح بھی بچا نہیں سکتا، بے شک حکم اللہ ہی کا ہے، میں نے اسی پر توکل کیا اور سب توکل کرنے

ہیں کہ جنھیں نظرِ بد لگنے کی صورت میں کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے ایک دعا سکھائی ہے: ((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ)) ''میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر اس آنکھ سے جو نظر لگانے والی ہے۔'' اسی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو یہی دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے اور فرماتے: ''تم دونوں کے باپ (ابراہیم علیہ السلام) اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو ان کلمات کی پناہ میں دیا کرتے تھے۔'' [صحیح البخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: ۳۳۷۱] ایک روایت میں اس دعا کے شروع میں ((أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ)) [مسند أحمد: ۱/ ۲۳۶، ح: ۲۱۱۲، إسناده صحیح عند الأرنؤوط] کے الفاظ بھی ہیں کہ میں تم دونوں کو اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔

سورۂ فاتحہ بھی بہت شان دار دم ہے۔ نظر لگنے اور بیماری کی صورت میں اسے پڑھ کر دم کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دم کو پسند کیا اور اس کی اجازت دی ہے۔ [دیکھیے صحیح البخاري، کتاب الطب، باب الشرط في الرقیة ....: ۵۷۳۷] ایسے ہی ایک روایت میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں دن کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں گیا تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو شدید تکلیف کی حالت میں دیکھا، پھر میں شام کو عیادت کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ ﷺ تندرست و توانا تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا: ''جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے، انھوں نے مجھے اس دعا کے ساتھ دم کیا تو افاقہ ہو گیا۔ وہ دعا یہ ہے: ((بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ حَسَدِ كُلِّ حَاسِدٍ وَعَيْنٍ، بِاسْمِ اللّٰهِ يَشْفِيْكَ)) [مسند أحمد: ۵/ ۳۲۳، ح: ۲۲۷۵۹، صحیح لغیره عند الأرنؤوط] ''اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے (اور) ہر حاسد کے حسد سے اور نظر سے۔ اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ، اللہ آپ کو شفا دے۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو وہاں ایک بچے کو تکلیف میں دیکھا، انھوں نے بتایا کہ اے اللہ کے رسول! اسے نظر لگ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو تم اسے نظرِ بد سے بچاؤ کا دم کیوں نہیں کرتے؟'' [مکارم الأخلاق للخرائطي: ۱۰۶۲، وانظر نحوه: صحیح البخاري: ۵۷۳۹]

نبی اکرم ﷺ کی پیش کردہ ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو اذکار بھی کرنے چاہییں اور نظرِ بد اور حسد سے بچنے کے لیے عملی تدبیر بھی کرنی چاہیے۔ حسد کی مصیبت بہت بڑی ہے۔ برادریوں اور خاندانوں میں یہ چیز

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾

والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے ﴿67﴾

بہت زیادہ ہوتی ہے، جسے عام طور پر ''شریکا'' کہا جاتا ہے۔نظر لگنے کا معاملہ بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ اکثر گھروں اور خاندانوں میں یہ مسائل رہتے ہیں، اس لیے ان سے بچنے کے لیے سیرتِ رسول ﷺ کی رہنمائی میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے دل میں یہ خدشہ بھی تھا کہ ایسا نہ ہو گیارہ نوجوان اکٹھے شہر میں داخل ہوں تو لوگ سمجھیں کہ شاید راہزن آ گئے ہیں، اب پتا نہیں یہ شہر میں کیا کریں گے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی سخت تلاشی ہو، قانون ان پر گرفت کرے اور وہاں کی حکومت اور پولیس ان کے پیچھے لگ جائیں، اگر ایسا ہوا تو شاید یہ عزیزِ مصر تک بھی نہ پہنچ سکیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ ایک اجنبی جگہ پر انھیں رہائی کون دلوائے گا؟ گویا یعقوب علیہ السلام کی کوشش تھی کہ ان ساری چیزوں سے بچا جائے جو نقصان دہ ہو سکتی ہیں۔

وَ مَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ : یعقوب علیہ السلام جہاں بیٹوں کو نظرِ بد اور حسد سے بچاؤ کی تدبیر بتا رہے ہیں وہیں تقدیر پر بھی اپنا ایمان واضح کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی تقدیر میں کوئی چیز تمھارے خلاف ہونی لکھی ہے تو اسے میں نہیں روک سکتا اور تمھارے کام نہیں آ سکتا۔ ہمارے ہاں تو معاشروں میں اس حوالے سے بہت خرابیاں پائی جاتی ہیں اور اولیاء و بزرگوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ پر بیٹھ کر سینکڑوں کلومیٹر دور بھی لوگوں کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ یہ عقیدے کی خرابیاں ہیں جن کی اصلاح کی بہت ضروری ہے۔ یعقوب علیہ السلام انھیں سمجھا رہے ہیں کہ میں تمھیں تدبیر بتا رہا ہوں، بچاؤ تم نے خود کرنا ہے۔ میرے پاس اللہ کی تقدیر کو روکنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہاں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا اور تدبیر اختیار کرنا دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ تدبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقدیر پر ایمان کمزور ہے بلکہ تدبیر اختیار کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور یہ رب تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان مضبوط رکھنے کا ایک شان دار طریقہ ہے۔ گویا وسائل کا استعمال اور تدبیر کرنا اللہ کی مدد کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔ اسباب بھی اس وقت کام آتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اس بات کو بہت اچھے طریقے سے سمجھنا چاہیے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ : ''بے شک حکم اللہ ہی کا ہے۔'' یہاں حکم سے مراد تکوینی اور قدری حکم ہے۔ پیچھے ہم نے پڑھا تھا کہ یوسف علیہ السلام لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں کہ بہت سارے رب صحیح ہیں یا ایک اللہ کو ماننا درست ہے؟ اس موقع پر انھوں نے کہا تھا: ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ﴾ [یوسف : ٤٠] ''فرماں روائی صرف

اللہ کی ہے، اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔'' یہاں حکم تشریعی مراد ہے، اس لیے اللہ کی عبادت، شریعت اور دین کی بات کی گئی ہے۔ حکم تکوینی کا مطلب ہوتا ہے کہ جس میں انسان کا کوئی اختیار نہ ہو۔ تقدیر واقع ہو کر ہی رہنی ہے۔ جب کسی کی موت کا وقت آنا ہے تو آ کر رہنا ہے۔ سارے مل کر بھی اس حکم کو ٹال نہیں سکتے۔ یعنی حکم تکوینی یا قدری میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار دیا ہی نہیں ہے۔ زندگی، موت اور بیماری جیسی چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں۔ سورج، چاند اور ستاروں کا سارا نظام تکوینی ہے، نہ انھیں کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان کا راستہ تبدیل کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بعض مواقع پر کچھ نشانیاں بھی ظاہر کرتا ہے، مثال کے طور پر سورج یا چاند گرہن ہو جائے تو یہ سارا معاملہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ خود انسانی زندگی کا بہت بڑا حصہ اللہ رب العالمین کے حکم تکوینی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں انسان کو اختیار نہیں دیا تو پھر اس کا امتحان بھی ان امور میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی سے نہیں پوچھے گا کہ تو پیدا کیوں ہوا تھا، تجھے موت کیوں آئی تھی اور تو بیمار کیوں ہوا تھا؟ یہ ساری چیزیں حکم تکوینی سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسرا حکم، حکمِ تشریعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام انبیاء ﷩، صحیفوں اور کتابوں کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجے ہیں، سب حکمِ تشریعی ہیں اور ان میں انسان کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔ نافرمانی اللہ کو پسند نہیں اور فرماں برداری کے ساتھ چونکہ دوزخ سے آزادی اور جنت کا حصول وابستہ ہے، اس لیے ہمدردی و خیرخواہی کی بنیاد پر سبھی انسان رب تعالیٰ کے ان احکامات کے بھی پابند ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ صرف حکمِ تکوینی کی ہی پابندی کرنی ہے بلکہ حکمِ تشریعی بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس میں بندوں کے پاس اختیار ہے کہ وہ جسے چاہیں قبول کر لیں اور جس کا چاہیں انکار کر دیں۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ فلاں چیز تمھارے لیے حلال ہے اور فلاں حرام ہے۔

حلال و حرام اور اوامر و نواہی کے بارے میں خالقِ کائنات نے جتنے احکام دیے ہیں سب پر عمل ضروری ہے۔ اس کے برعکس حکم تکوینی میں کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ حکمِ تکوینی اور حکمِ تشریعی میں یہی بنیادی فرق ہے۔ حکم تکوینی کو تو سبھی مانتے ہیں۔ موت کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ سب کے سامنے لوگ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ جس کا باپ دنیا سے چلا گیا اسے یقین ہوتا ہے کہ ایک دن اس کی باری بھی آنے والی ہے۔ اصل اختلاف حکمِ تشریعی میں ہوتا ہے۔ نبیوں اور قوموں کے درمیان جھگڑے ہمیشہ تشریعی امور کی وجہ سے ہی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں بیان کر کے امت کو سمجھایا ہے، اسی میں انسان کا امتحان ہے اور اسی کی بنیاد پر جنت و دوزخ کے فیصلے ہوں گے، لیکن یہاں ایک اصول لازمی طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ جب کہا جاتا ہے: ﴿ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴾ تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ شریعت سازی کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام کہنا شروع کر دے۔ سب

پر واجب ہے کہ وہ احکامِ شریعت کی پابندی کریں۔ اللہ کے اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اس لیے دین اور شریعت سے ہٹ کر نظام اور قانون نہیں بنائے جاسکتے۔

اس آیت کے حوالے سے ایک اور بحث بہت اہم ہے جو سب فقہاء نے کی ہے کہ حکم تشریعی میں بھی دو چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں تدبیر نہیں ہے اور کچھ وہ ہیں جن میں تدبیر ہے، مثلاً نماز کے حکم میں کوئی تدبیر نہیں ہے۔ پانچ نمازوں میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ایک ماہ کے روزے ہیں تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پرانا دور تھا، آج پہلے جیسے حالات نہیں ہیں تو روزوں میں کچھ تخفیف کر لی جائے۔ اسی طرح زکاۃ کا نصاب مقرر ہے تو اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ آج کل بہت سارے نام نہاد دانش ور جو جدید حالات کا بہانہ بنا کر اختلافات اور شکوک پیدا کرتے ہیں وہ اسی بنیادی غلطی کا شکار ہیں کہ ان چیزوں کو حالات کی مناسبت سے دیکھنا چاہیے جبکہ تشریعی امور میں یہ چیزیں ایسی ہیں کہ حالات کے بدلنے سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ عبادات کا سارا معاملہ اسی سے متعلق ہے، البتہ جن معاملات میں تدبیر ہے ان میں حالات کے بدلنے پر آپ تدبیر کر سکتے ہیں۔

جہاد اللہ کا حکم ہے، پہلے ادوار میں تیروں، تلواروں اور نیزوں سے جہاد ہوتا تھا تو اب کوئی یہ کہے کہ تلوار چلانا چونکہ اللہ کے نبی ﷺ کی سنت ہے اس لیے ہم تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار استعمال نہیں کریں گے تو یہ درست نہیں ہے۔ یہ معاملہ تدبیر سے متعلق ہے۔ جدید حالات میں دشمن کس قسم کے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں اور وہ کیا تدبیریں کرتے ہیں ہمیں بھی ان حالات کو پوری طرح مدِنظر رکھنا ہوگا۔ حالات کے بدلنے سے تدبیر بدل کر ہی اس کا توڑ کیا جاتا ہے، یعنی جن چیزوں کا تعلق حالات کی تبدیلی سے ہو ان میں تدبیر ہے اور عبادات سے متعلق جتنے احکام ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ عبادات میں حالات کے بدلنے پر ضابطے تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔ ان کا حکم وہی رہے گا۔ جدید قوانین میں بھی یہ چیز موجود ہوتی ہے۔ جب کسی ملک یا ریاست کا قانون (Law) بنتا ہے، جسے بائنڈنگ کہتے ہیں، تو وہ ہر کسی پر لازمی طور پر نافذ العمل ہوتا ہے۔ یہ بنیادی قوانین کی بات ہو رہی ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ کچھ ضمنی یا ذیلی قوانین (By Laws) ہوتے ہیں جو عموماً معاشی مسائل اور اس جیسے دیگر معاملات کے حل کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں حالات اور ضروریات کے بدلنے پر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

یہ چیزیں جس طرح ہر قانون میں موجود ہوتی ہیں ایسے ہی اللہ نے شریعت میں بھی یہ چیز رکھی ہے کہ حالات بدلنے پر تدبیر میں تبدیلی ہوسکتی ہے، لیکن اس کے لیے اصول یہ ہے کہ ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) [مسند أحمد: ۱/ ۱۳۱، ح ۱۰۹۵، إسناده صحيح عند الأرنؤوط] تدبیر کرتے وقت اس بات کا خیال رہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اگر تم کوئی تدبیر کرنا چاہتے ہو تو کرو لیکن یہ تدبیر

وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا، تو اللہ (کی تقدیر) سے کوئی چیز انھیں بچا نہیں سکتی

مصلحتِ دین، شریعت اور جہاد کے لیے ہونی چاہیے۔ پہلے قبائلی دور تھا، آج منظم حکومتوں اور فوجوں کا دور ہے تو اس معاملے میں تدبیر بھی اس کے مطابق کی جائے گی۔ اگر تدبیر نہیں کریں گے تو جہاد کا نقصان ہو گا، اس لیے اسلام نے اس میں گنجائش رکھی ہے۔ آپ دیکھیں کہ ہماری تاریخ کے بڑے بڑے کمانڈروں نے جنگوں میں ایسی شاندار تدبیریں کی ہیں کہ آج ملٹری اکیڈمیوں میں ان کی جنگی حکمت عملیوں کے متعلق پڑھایا جاتا ہے اور ان سے بہت فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں نے تدبیری اور شرعی امور میں فرق نہیں کیا اور فقہ اور شریعت کو ایک کر دیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ فقہ فہم کا نام ہے اور فہم مختلف ہو سکتا ہے لیکن ایک کا فہم کسی دوسرے کے لیے دلیل نہیں ہے جبکہ شریعت سب کے لیے دلیل ہے۔ فہم مختلف ہونے سے فقہ میں اختلاف ہو سکتا ہے، البتہ شریعت ایک ہی ہے۔ اس معاملے میں غلط فہمی کی وجہ سے امت کا بہت نقصان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر کسی عالم کو ایک چیز سمجھ آئی، اس نے فتویٰ دیا تو دوسرے بندے نے اس پر عمل کر لیا، اب اگر وہ صحیح نہیں سمجھ سکا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا، لیکن اگر اس فتویٰ کو مستقل اصول بنا لیا جائے اور اسے ہمیشہ کے لیے قانون کی حیثیت دے دی جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ دلیل وہ ہے جسے اللہ رب العالمین کی شریعت نے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کا فتویٰ، قیاس اور اجتہاد دلیل نہیں ہے۔ یہ ساری حکم کی بحثیں ہیں اور حکمِ تشریعی میں شامل ہیں۔ جب ہر حکم کی حیثیت متعین ہو گی اور اس کا فہم صحیح ہو گا تو پھر مسائل میں بگاڑ نہیں ہو گا۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ : ''میں نے اسی پر توکل کیا اور سب توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے۔'' یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ میری طرح تم پر اور سب لوگوں پر لازم ہے کہ سب کا توکل اور بھروسا رب تعالیٰ پر ہی ہونا چاہیے۔

آیت 68 ﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ . . . : یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک خیال اور خواہش تھی کہ وہ بیٹوں کو الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کی تدبیر بتائیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے اللہ کی تقدیر پر کوئی تدبیر پیش کی تھی۔ ہر باپ چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو کوئی تکلیف نہ آئے اور اس کی اولاد ہر قسم کی مصیبت سے بچ جائے، اس لیے یعقوب علیہ السلام نے اگر تدبیر بتائی تھی تو یہ پدری شفقت کی وجہ سے تھا ورنہ اللہ کی تقدیر پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ '' قَضٰىهَا '' کا مطلب ہے کہ دل میں موجود خطرے کو دور کرنے کے لیے انھوں نے ایک تدبیر کر کے اپنے آپ کو اور بیٹوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور انھیں ایک راستہ دکھایا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿ وَ اِنَّهٗ

اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ

ع ۸/۱۱/۲ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۸

تھی مگر یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں ایک خواہش تھی، جسے انھوں نے پورا کیا اور بے شک وہ یقیناً بڑے علم والے تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے انھیں سکھایا تھا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿68﴾

لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾ ''اور بے شک وہ یقیناً بڑے علم والے تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے انھیں سکھایا تھا۔'' یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ رب العالمین کا حکمِ تکوینی مان کر اس پر توکل کرتے ہیں۔ اسی کے بارے میں وہ کہتے ہیں میرا اس پر ایمان ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہی ہو گا میں اسے ٹال نہیں سکتا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ تدبیر کرنا اللہ کی طرف سے حکم ہے اور شریعت نے اس کی باقاعدہ اجازت دی ہے۔

بعض لوگ تدبیر کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ توکل کے خلاف ہے۔ یعنی وہ توکل کا مفہوم ہی بگاڑ دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث ہے کہ ((اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ)) [سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب : ۲۵۱۷، قال الألباني: حسن] ''اس (اونٹ کے گھٹنے) کو باندھو اور پھر (اللہ پر) توکل کرو۔'' تقدیر پر ایمان کے ساتھ ساتھ نقصان پہنچانے والے اسباب سے بچنا اور فائدہ پہنچانے والے اسباب کو اختیار کرنا بھی اللہ کا حکم ہے۔ تقدیر پر ایمان کہہ کر بندہ اپنی انگلی بجلی کے سوئچ میں ڈال دے تو یہ عقلمندی نہیں۔ بندہ کہے کہ اللہ نے بچانا ہوا تو بچا لے گا اور اگر نہ بچانا ہوا تو ہم کیا کر سکتے ہیں تو یہ بات درست نہیں ہے۔ بعض صوفی حضرات سمجھتے ہیں کہ اگر ہم گھٹنا باندھیں گے تو گویا تقدیر میں مداخلت کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس باطنی علوم ہیں۔ یہ سراسر باطل عقیدہ ہے۔ آسمانوں سے نازل ہونے والی وحی کا علم ہی اصل ہے۔ جس کے پاس یہ علم ہو گا وہی صحیح اصول اور ضابطے مقرر کر سکتا ہے۔ تدبیر بھی اسی کی صحیح ہو گی۔ وحی کا علم ذہن کو وسیع کرتا ہے، سوچ کو پختہ کرتا ہے اور اس سے انسان کے اندر اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ وحی کے علم سے محروم ہیں وہ حکومتیں اور نظام بھی صحیح طریقے سے نہیں چلا سکتے۔ ان کے فیصلوں میں غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں اور ان کی تدبیریں درست نہیں ہوتیں جس کے نقصانات بہت شدید ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیاوی امور کے لیے بھی کتاب و سنت اور وحی کا علم ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

جب پختہ علم رکھنے والے علماء حکومت اور نظام چلائیں گے تو ان کی تدبیروں میں اللہ کی مدد شامل ہو گی اور وہ کامیابیوں سے سرفراز ہوں گے۔ مسلم ملکوں و معاشروں میں بگاڑ اور خرابیاں اس لیے ہیں کہ وہ ترقیوں کے لیے مغرب کی طرف دیکھتے ہیں اور انھی کے نظاموں کے مطابق قانون سازیاں کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی

وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا

اور جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی، کہنے لگے کہ بے شک میں تیرا

مناسبت سے ایک اصول سمجھا دیا ہے کہ وحی کا علم رکھنے والے شخص کی تدبیر زیادہ کامیاب ہوتی ہے کیوں کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ: ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' وہ ان چیزوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔ جہالت کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ لوگ ہیں جو بالکل ان پڑھ ہیں، اسے جہل بسیط کہتے ہیں۔ یہ زیادہ نقصان نہیں پہنچاتے لیکن دوسری قسم جہل مرکب ہے، یعنی وہ لوگ جو غلط باتیں کرتے ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ ہم حق بات کر رہے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے آپ کو عالم اور بہت پڑھا لکھا سمجھتے ہیں، اس لیے یہ وحی کا علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہیوں سے دوچار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وحی کا علم ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنے ملکوں و معاشروں کے نظام اسی کے مطابق چلائیں، کتاب و سنت ان کا آئین بنے اور لوگوں کو اسی کی تعلیم دی جائے۔

اسلام قطعی طور پر یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے باقی علوم حاصل نہ کیے جائیں۔ سائنس سمیت دوسرے جدید علوم بھی سیکھنے چاہییں لیکن اس سے پہلے شریعت کا بنیادی علم سیکھنا ضروری ہے، تاکہ بندے کا ذہن پختہ رہے اور اس کی سوچ و فکر میں کوئی تضاد نہ ہو۔ دنیا میں دین کی صحیح دعوت پیش کرنے اور بگاڑ ختم کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس یہی واحد راستہ ہے۔ انھیں دنیاوی امور بھی طے کرنے ہوں تو اللہ کی شریعت کو سامنے رکھ کر کریں۔ فیصلوں کا اختیار ان کے پاس ہونا چاہیے جن کے پاس وحی کا علم ہے۔ جس بندے کے پاس آسمانوں سے نازل ہونے والی شریعت کا علم نہیں ہے وہ صحیح معنوں میں کائنات کے حقائق سے واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ سارے لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ [الروم: ۷] ''یہ لوگ تو دنیا کی ظاہری زندگی کو ہی جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔'' یہ لوگ دنیا کے ظاہری علوم کو تو جان سکتے ہیں مگر حقیقی علم سے بے خبر ہیں۔